اقوال زریں

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

- ❑ جو لوگ اندھیرے میں مسجدوں کی طرف جاتے ہیں، انہیں قیامت کے دن پورے پورے نور کی خوشخبری سنادو۔
- ❑ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں اور اس (اللہ) کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA LUCKNOW

مسلمانوں کی ’گورنمنٹ لنچنگ‘

مجلس اتحاد المسلمین کے سربراہ اسدالدین اویسی کے سیاسی افکار و نظریات اور انداز سیاست سے ممکن ہے لوگ اختلاف کریں لیکن ان کی بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی صداقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کل انہوں نے اپنے ایک بیان میں کہا ہے کہ جو کام پہلے بھیڑ کیا کرتی تھی، اب وہی کام حکومت کررہی ہے۔ 2015 میں ایک ہجوم اخلاق کے گھر میں داخل ہوا اور اس کی فریج میں رکھے گوشت کو گائے کا گوشت سمجھ کر اخلاق کو مار ڈالا۔ کون جانے کتنے مسلمانوں پر اسمگلنگ اور چوری کا جھوٹا الزام لگا کر قتل کیا گیا۔ جو کام پہلے ہجوم کرتا تھا، اب حکومت کر رہی ہے۔ مدھیہ پردیش حکومت نے کچھ مسلمانوں پر ان کی فریج میں گائے کا گوشت رکھنے کا الزام لگایا اور 11 گھروں کو بلڈوز کردیا۔ انتخابی نتائج سے پہلے اور بعد میں بھی مسلمانوں کے گھر گرائے جاتے ہیں، صرف مسلمانوں کو قتل کیا جاتا ہے۔

مجلس سربراہ کے اس بیان کی سچائی سے انکار ممکن نہیں ہے۔ 2014 کے بعد سے یہ مشاہدہ عام ہے کہ گائے، گائے کے گوشت اور اس کے بول و براز کو بچانے کے نام پر ایسی دہشت گردی مچائی گئی ہے جس کی مثال تقسیم ہند کے وقت بھی نہیں دیکھی گئی تھی۔ گئوکشی کے خلاف مہم میں اب تک نہ جانے کتنے مسلمانوں کو ہجوم نے پیٹ پیٹ کر قتل کرڈالا ہے۔ اتر پردیش کے اخلاق احمد سے لے کر جھارکھنڈ کے تبریز انصاری تک ایسی مثالیں ہندوستانی سیکولرازم کے دامن پر سیاہ دھبہ بن چکی ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ مدھیہ پردیش کے منڈلا ضلع کے ایک گاؤں میں گزشتہ ہفتے کے آخر میں پولیس کی ایک بڑی ٹیم نے کئی گھروں کی فریج سے گائے کا گوشت ’بچایا‘ اور اگلے دن ان گھروں کو مسمار کردیا۔ اتنی بڑی غیر قانونی کارروائی کے بعد کسی جانب سے اس کی نہ تو مذمت ہورہی ہے اور نہ سیکولر کہے جانے والے لیڈروں نے بے گھر مسلمانوں سے پرسش احوال کی ہی کوئی کوشش کی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ مدھیہ پردیش کے جانوروں پر ظلم کی روک تھام کا ایکٹ اور امتناع گئوکشی ایکٹ دونوں بہت سخت ہیں۔ نئے وزیر اعلیٰ نے اس سال کو پھر سے ’گونش رکشا ورشا‘ بھی قرار دیا ہے۔ اس لیے مدھیہ پردیش کی پولیس ہر گھر کی فریج میں جھانکتی اور گائے کے گوشت کی بو ڈھونڈتی پھر رہی ہے۔ منڈلا ضلع کے بانسواہی میں بھی اسے یہ بو مل گئی، اگلے دن دیکھا گیا کہ سرکاری بلڈوزر آئے اور ان گھروں کو منہدم کرڈالا جہاں فریج میں گائے کا گوشت ملا تھا۔ بے گھر ہونے والوں میں سے ایک جلیل احمد قریشی کا کہنا ہے کہ پولیس نے مسماری آپریشن سے دو دن قبل ان کے بیٹے عقیل کے گھر کا دورہ کیا تھا۔ فریج سے پانی پیا اور گھر کی تلاشی لی تھی۔ پولیس کو کچھ نہیں ملا تھا پھر بھی اس کے تینوں بیٹوں کے گھر مسمار کردیے گئے۔ پولیس نے عقیل، آصف اور عادل اور دیگر 8 افراد کے خلاف مدھیہ پردیش پرہیبیشن آف کاؤسلاٹرا ایکٹ 2004 کی دفعہ 4، 5 اور 9 کے تحت مقدمہ درج کیا ہے۔ تاہم منڈلا ضلع کے پولیس سپرنٹنڈنٹ رجت سکلیچا کے مطابق ان گھروں اور ریفریجریٹرز میں چھپائی گئیں گائے کی کھالوں، ہڈیوں اور گائے کے گوشت کے کافی ثبوت ملنے کے بعد ایف آئی آر درج کی گئی۔ جہاں تک مکانات کے انہدام کا معاملہ ہے، وہ مکانات سرکاری زمین پر بنے تھے اور حکام نے مکینوں کو نوٹس بھیج رکھا تھا۔

قانون کی حکمرانی کا دعویٰ کرنے والی بی جے پی کی حکومت میں بغیر کسی عدالتی کارروائی کے فقط شبہ کی بنیاد پر ملزم کے گھروں کا منہدم کیا جانا عام سی بات ہوگئی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بانسواہی گاؤں کے کچھ لوگوں نے اچانک گائے ذبح کی ہو اور اس کا گوشت کھانے کا آغاز کردیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اس گاؤں میں مسلمانوں کی قریشی برادری آباد ہے جس کا کام ہی گوشت سے متعلق ہے۔ جانوروں کی کھالیں وہ جبل پور بھیجتے ہیں جہاں قدیم زمانے سے جوتوں کا کاروبار ہوتا آرہا ہے۔ یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ پولیس، مقامی سرپنچ یا سرکاری دفتر کے لوگوں کو یہ پہلی بار معلوم ہوا تھا اور انہوں نے یہ کارروائی کی۔ تاہم اگر اسے فرض بھی کرلیا جائے تو اس کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی کی جانی چاہیے تھی نہ کہ ریاستی حکومت پولیس کے نام پر غنڈے بھیج کر ان گھروں کو مسمار کراتی۔

2015 میں اتر پردیش میں محمد اخلاق کو گھر میں گائے کا گوشت رکھنے کے جرم میں قتل کردیا گیا تھا۔ پاگل دیہاتیوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ 2024 میں مدھیہ پردیش نے دکھا دیا کہ تقریباً ایک دہائی کے بعد بھی صورتحال وہی ہے، اگر کچھ بدلا ہے وہ یہ ہے کہ اس بار خود حکومت نے وہ کردار ادا کیا ہے جو اب تک ہجوم کرتا آرہا تھا۔ مودی-3 کے ابتدائی دور میں ہونے والا یہ واقعہ مسلمانوں کی ’گورنمنٹ لنچنگ‘ ہے۔

edit2sahara@gmail.com

نقل کلچر کا فروغ، نظام تعلیم کی تباہی اور ملک کی بربادی

محمد حنیف خان

امتحانات میں ڈیوٹی کے دوران کئی طرح کے طلبا و طالبات سے سابقہ پڑتا ہے، بعض ایسے ہوتے ہیں جو نقل کرتے ہوئے گرفت میں آ جاتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو امتحان ہال میں نگرانی کرنے والوں کو بھی جُل دینے میں کامیاب ہوجاتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے بچے ان نگران کو دھوکہ دینے کے بجائے خود کو اور اپنے والدین کو دھوکہ دیتے ہیں۔ جو لوگ گرفت میں آ جاتے ہیں، ان میں بعض طلبا و طالبات ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان کی پشیمانی اور اظہار شرمندگی کی بنا پر بعض اساتذہ نظرانداز کردیتے ہیں جبکہ بعض کچھ بھی نہ سن کر ان کی کاپیاں سیل کرا دیتے ہیں۔

ہمارے ایک دوست نے دوران امتحان ایک بڑی اچھی بات کہی کہ کسی بھی ادارے کو تباہ و برباد کرنا ہو تو آپ طلبا و طالبات کو چھوٹ دے کر نقل کو رائج کردیجیے، امتحان کا سسٹم تباہ ہوجائے گا اور ادارہ برباد ہوجائے گا۔

ہمارے دوست کی اس بات کو ذرا وسیع تناظر میں دیکھیں اور غور کریں کہ اگر وہ ادارہ نہ ہو کر ملک ہو تو؟ یہاں بھی تو یہی ہوگا کہ امتحانات میں نقل کو رائج کردیجیے، ملک کا پورا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔

کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی کا راز اس کے نظام تعلیم میں مضمر ہوتا ہے، جس ملک میں بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا نظام بہتر اور چاق و چوبند ہوتا ہے، اس ملک کے عوام کا مقدر آب زر سے لکھا جاتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کو دیکھیں اور ان کی شرح خواندگی کو دیکھ لیں اندازہ ہوجائے گا کہ خوشحالی کی بنیاد کیا ہے۔

ہندوستان میں دو طرح کے تعلیم یافتہ لوگ ہیں، ایک پڑھے لکھے اور دوسرے لکھے پڑھے (ڈاکومینٹیڈ)۔ تعلیم یافتہ افراد کی جو دوسری قسم ہے یہی دراصل ملک کے لیے دیمک ہے جو لکڑی کی طرح ملک کو کھا جاتے ہیں اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ یہ لکھے پڑھے لوگ ہمیشہ عوام کے لیے دردسر رہے ہیں۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ لکھے پڑھے لوگ کون ہیں؟ اس کا بہت چھوٹا سا جواب ہے نقلچی/یا پیسے دے کر ڈاکیومنٹ حاصل کرنے والا۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو پیسے دے کر پہلے سرٹیفکیٹ حاصل کرتے ہیں جو دراصل نوکری کی سب سے پہلی بنیاد ہے، اس کے بعد سیاسی و سماجی اور رشوت کے ذریعہ نوکری بھی حاصل کرلیتے ہیں پھر یہ لوگ زندگی بھر خود تو عیش کرتے ہیں مگر ان کی زد میں آنے والے عوام خون کے آنسو روتے ہیں۔

یونیورسٹیوں اور یو جی و پی جی کالجوں میں درس و تدریس کے لیے حکومت ہند نیشنل ایلجبلٹی ٹیسٹ کراتی ہے جسے عرف عام میں N E T کہا جاتا ہے۔ نیشنل ٹیسٹنگ ایجنسی (NTA) نے 18 جون کو یہ امتحان کرایا تھا، چونکہ پورے ملک میں ایک ساتھ یہ امتحان ہوتا ہے، جس میں عمر کی بھی کوئی حد بندی نہیں ہے، اس لیے کثیر تعداد میں طلبا اس امتحان میں شریک ہوتے ہیں۔ یو جی سی کے چیئرمین کے مطابق اس بار 11 لاکھ سے زائد امیدواروں نے اس امتحان کا فارم بھرا تھا جبکہ 81 فیصد امیدواروں نے امتحان میں شرکت کی اور امتحان دیا مگر اس کے دوسرے دن ہی اس امتحان کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ وزارت تعلیم نے امتحان سے قبل سوالنامے کے عام (پیپر لیک) ہونے کا شبہ ظاہر کرتے ہوئے اسے منسوخ کرکے اس کی جانچ سی بی آئی کے سپرد کردی ہے۔

اس سے قبل National Eligibility Entrance Test کرایا تھا جسے عرف عام میں NEET کہتے ہیں۔ اس ٹیسٹ کے نتائج کی وجہ سے طلبا پریشان تھے، 24 لاکھ سے زائد طلبا نے اس امتحان میں شرکت کی تھی کیونکہ یہ وہ امتحان ہے جس میں کامیاب ہونے سے سنہرے مستقبل کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ایم بی بی ایس اور بی ڈی ایس جیسے کورسیز میں اسی امتحان کے ذریعہ داخلہ ملتا ہے۔ جب اس کے نتائج کا اعلان ہوا تو 67 طلبا کو 720 میں سے 720 نمبر ملے، اس کے ساتھ ہی کچھ ایسے بھی طلبا و طالبات ہیں جنہیں 719 اور 718 نمبر ملے ہیں۔ اس نتیجہ کے بعد جب تنازع شروع ہوا تو این ٹی اے نے سبب بھی بتایا کہ ایسا کیوں ہے مگر سپریم کورٹ کے سخت رخ کے بعد تقریباً 1563 طلبا کو دوبارہ امتحان دینا ہوگا اور اگر کوئی ان میں سے امتحان نہیں دینا چاہتا ہے تو ہمدردی کی بنیاد پر جو نمبر ملے تھے، انہیں کاٹ کر دوبارہ اصل نتیجے کا اعلان کیا جائے گا۔

مذکورہ دونوں امتحانات ملکی سطح کے ہیں جن کی ملک کی تعمیر و ترقی میں بڑی اہمیت ہے۔ درس و تدریس سے متعلق امتحان NET کو تو محض شک کی بنیاد پر منسوخ کردیا گیا ہے مگر صحت و طب سے متعلق امتحان NEET کو ابھی تک منسوخ نہیں کیا گیا ہے جب کہ اس میں دھاندلی کے متعدد ثبوت سامنے آچکے ہیں۔ بہار کی پولیس نے متعدد ملزمین کو گرفت میں لیا ہے۔ گجرات میں ایک پورے سینٹر کو ہی مینیج کرلیا گیا تھا جہاں امتحان دینے والے کئی ایسے امیدوار تھے جن سے کہا گیا تھا کہ انہیں او ایم آر شیٹ میں صرف ان ہی سوالات کے جواب دینے ہیں جو معلوم ہوں باقی وہ چھوڑ دیں، ایک دوسرا شخص امتحان کے بعد او ایم آر شیٹ بھردے گا۔ اسی وجہ سے اس امتحان کو بھی منسوخ کیے جانے کا مطالبہ کیا جارہا مگر حکومت خاموش ہے۔

حکومت نے NET کا امتحان منسوخ کرکے ایک اچھا قدم اٹھایا ہے اور شفافیت کا بھی مظاہرہ کیا ہے مگر اس NEET کے معاملے میں اس نے یہ قدم کیوں نہیں اٹھایا، محل نظر ہے۔ لیکن صرف امتحان کو منسوخ کردینے سے حکومت پر لگے داغ دھل نہیں جائیں گے اور نہ اس کی شفافیت میں چار چاند لگ جائیں گے کیونکہ یہ پیپر لیک کا کوئی پہلا معاملہ نہیں ہے۔

حکومت کو بھی پتہ ہے کہ ایجوکیشن مافیا ہیں جنہوں نے اسے ایک صنعت کا درجہ دے رکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت ہندوستان میں تعلیم اور میڈیکل دو ایسے شعبے میں جہاں اندھی کمائی ہے، اس پر سونے پر سہاگہ کوچنگ سینٹر کلچر ہے جنہوں نے تعلیم کو کلی طور پر پیشہ بنادیا ہے۔

پیپر لیک بادی النظر میں کسی شرارتی کی شرارت یا خواہشات کے غلام کا عمل ہوسکتا ہے مگر اس کے بڑے دوررس اور منفی اثرات مرتب ہوں گے۔

آپ خود سوچیں کہ ایک نااہل شخص اگر پیشہ ور ڈاکٹر کی ڈگری لے کر پریکٹس کرنے لگے تو کیا ہوگا؟ ایک نااہل شخص کو یونیورسٹی میں معلم کا فریضہ سونپ دیا جائے تو ملک کی صحت اور اس کی فکر کا عالم کیا ہوگا؟

کیا پیپر لیک کے بعد اسے منسوخ کردینے سے سبھی مسائل حل ہوجائیں گے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ سب سے بڑا مسئلہ تو ان طلبا و طالبات کا ہے جنہوں نے دن رات محنت کرکے امتحان کی تیاری کی اور انہوں نے پیپر بھی اچھا کیا مگر ناقص نظام کی وجہ سے اب ان کو دوبارہ امتحان دینا ہوگا۔ حکومت کو یہ سمجھنا چاہیے کہ آج کا نوجوان بری طرح سے دباؤ کا شکار ہے، وہ چہار طرفہ دباؤ کی زد میں ہے۔ امتحان خود ایک بہت بڑا دباؤ ہوتا ہے اور بار بار یہ دباؤ ان کی ذہنی کیفیت کو کس قدر نقصان پہنچاتا ہے، ہر شخص اندازہ نہیں لگا سکتا۔

ایک طرف آج کا نوجوان اپنے مستقبل کے تعلق سے حد درجہ مایوسی کا شکار ہے کیونکہ بے روزگاری نے پورے معاشرے کو اپنی زد میں لے رکھا ہے، سرکاری نوکریوں کے ساتھ ہی پرائیوٹ نوکری کا بھی ملنا محال ہے۔ اس کے کندھے امیدوں اور خوابوں کے بوجھ سے جھکے ہوئے ہیں۔ راہل گاندھی نے بڑے دوٹوک انداز میں پیپر لیک اور امتحان منسوخی کے بارے کہا ہے کہ یہ صرف تعلیم کے شعبے کا حال نہیں ہے بلکہ یہی حال ہر شعبہ حیات کا ہے۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ سسٹم کی یہ تباہی ایک خاص فکر کے لوگوں کو اس سسٹم میں لانے کی وجہ سے ہے کیونکہ جن افراد کو امتحانات کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں، وہ نااہل ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نااہلی کی بنا پر ہی اس طرح کے معاملات سامنے آتے ہیں۔

حکومت کو اس سمت میں مضبوط قدم اٹھانا چاہیے، اس کو پارلیمنٹ میں اس سے متعلق بل لانا چاہیے۔ نظام تعلیم کی یہ خامی اگر نہیں دور کی گئی تو ملک کو تباہی سے کوئی نہیں بچا سکتا کیونکہ بچے نقل کے ذریعہ ڈاکٹر اور مدرس بنیں گے، رشوت کے ذریعہ امتحانات میں کامیابی حاصل کریں گے اور آگے چل کر یہی لوگ ملک کی قسمت کا فیصلہ کریں گے تو سوچیے کیا ہوگا۔ اگر کسی ملک کو تباہ کرنا ہے تو اس کے نظام تعلیم کو تباہ کردو اور اگر پائیدار بنیادوں پر کسی ملک کی تعمیر و ترقی کرنا ہے تو نظام تعلیم کو چاق چوبند کردو، دونوں صورتوں میں کامیابی مل جائے گی۔ حکومت کس سمت میں جائے گی یہ فیصلہ اب اسے کرنا ہے۔

haneef5758@gmail.com

> کسی بھی ملک کی تعمیر و ترقی کا راز اس کے نظام تعلیم میں مضمر ہوتا ہے، جس ملک میں بچوں کو تعلیم سے آراستہ کرنے کا نظام بہتر اور چاق و چوبند ہوتا ہے، اس ملک کے عوام کا مقدر آب زر سے لکھا جاتا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کو دیکھیں اور ان کی شرح خواندگی کو دیکھ لیں اندازہ ہوجائے گا کہ خوشحالی کی بنیاد کیا ہے۔

تحقیق کے میدان میں سرکاری اخراجات

ڈاکٹر جاوید عالم خان

تجزیہ

ہندوستان کی پائیدار ترقی کے لیے ریسرچ کے میدان میں سرکاری اخراجات میں مزید اضافہ کی ضرورت ہے۔ ہمارا ملک ریسرچ سے متعلق سرکاری اخراجات کے معاملے میں دنیا کے اہم ملکوں جیسے امریکہ، برطانیہ، جاپان، چین اور ساؤتھ کوریا سے کافی پیچھے ہے، اس وجہ سے اچھے ریسرچ اداروں اور ریسرچر، پیٹنٹ اور ریسرچ سے متعلق اشاعت کے میدان میں مذکورہ ممالک سے پچھڑتا جارہا ہے۔ اگر ریسرچ اور ڈیولپمنٹ پر سرکاری اخراجات کا جائزہ لیا جائے تو ہندوستان کل جی ڈی پی کا 6.0 فیصد خرچ کررہا ہے، اس میں 41 فیصد سرکار کا حصہ ہے باقی پرائیویٹ سیکٹر سے آتا ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ریسرچ پر ہمارے ملک کے ذریعہ سرکاری سرمایہ کاری ترقی یافتہ ممالک اور نئی ابھرتی ہوئی معیشتوں والے مشرقی ایشیا کے ممالک سے کافی کم ہے، یہ ممالک جی ڈی پی کی شرح میں 2 فیصد سے زیادہ اخراجات ریسرچ پر کرتے ہیں۔

گزشتہ سال مرکزی حکومت نے ایک ریسرچ ادارہ کے قیام کا فیصلہ لیا ہے جس کا نام نیشنل ریسرچ فاؤنڈیشن (این آر ایف) ہے۔ اس کے قیام کے لیے مرکزی کابینہ نے اس ادارہ کے ڈرافٹ بل کو منظور کردیا تھا۔ پارلیمنٹ میں منظوری کے بعد یہ بل قومی تعلیمی پالیسی (این ای پی) کی سفارشات کے مطابق ملک میں سائنسی تحقیق کی اعلیٰ سطحی حکمت عملی کی سمت فراہم کرنے کے لیے ایک اعلیٰ تحقیقی ادارہ این آر ایف کی شکل میں قائم کررہا ہے۔ جس کی کل تخمینہ لاگت پانچ سالوں (2023-28) کے دوران 50,000 کروڑ روپے ہوگی۔ 50,000 کروڑ روپے کے کل فنڈ میں سے مرکزی حکومت 16,000 کروڑ روپے فراہم کرے گی اور باقی رقم پرائیویٹ سیکٹر سے جمع کی جائے گی۔ این آر ایف کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد تعلیمی اداروں خاص طور پر یونیورسٹیوں اور کالجوں میں جہاں تحقیقی صلاحیت اس وقت ابتدائی مرحلے میں ہے، اضافہ اور تحقیق کی سہولت فراہم کرنا ہے۔ یہ ادارہ خاص طور سے بڑے پیمانے پر صنعت کے سیکٹر، متعلقہ وزارتوں، محکموں اور دیگر سرکاری و غیر سرکاری اداروں کے تعاون سے اعلیٰ اثرات والے کثیر تحقیقاتی، ادارہ جاتی اور بعض صورتوں میں بین الضابطہ یا کثیر القومی منصوبوں کے لیے فنڈ اور معاونت بھی کرے گا۔

اس ادارہ کے قیام کا مقصد ہندوستان کے قومی ترقیاتی ایجنڈے کو حاصل کرنے کے لیے مختلف شعبوں میں ریسرچ کی جائے گی جو تمام میدان میں ملک کی ضرورت کے مطابق نئی تحقیق کے ذریعے علم کا اضافہ کرے گا جس سے سماجی، تعلیمی اور اقتصادی ترقی کو بڑھایا جاسکے گا۔ این آر ایف اب سائنس اینڈ ریسرچ بورڈ آف انڈیا کی جگہ لے گا جو 2009 میں قائم کیا گیا تھا۔ ملک کے وزیر اعظم این آر ایف بورڈ کی صدارت کریں گے۔ مرکزی وزیر تعلیم اور وزیر برائے سائنس اور ٹیکنالوجی نائب صدر کے طور پر کام کریں گے۔ این آر ایف بورڈ کو ایک سوسائٹی کے تحت رجسٹر کیا جائے گا جس میں 18 ممبران شامل کیے جائیں گے، ان ممبران کا تعلق ملک اور بیرون ملک سے ہوگا۔ این آر ایف بورڈ کے ممبران میں معروف سائنس داں، مشہور صنعت کار اور سینئر سرکاری عہدیدار شامل ہوں گے۔ یہ ادارہ دس بڑے ڈائرکٹوریٹ پر مشتمل ہوگا اور مختلف موضوعات جیسے نیچرل، طبعی، سائنس، ریاضیات، انجینئرنگ، ماحولیات اور زمین سے متعلق سائنس، سماجی سائنس، آرٹس اینڈ ہیومنٹیز، ہندوستانی زبان اور نالج سسٹم، صحت، زراعت، اختراع اور انٹرپرینیورشپ۔ این آر ایف بورڈ ان تمام ڈائرکٹوریٹ کے کام کی نگرانی کرے گا۔ ہر ایک ڈائرکٹوریٹ کے لیے ایک صدر، نائب صدر اور سکریٹری کی تقرری کی جائے گی۔ این آر ایف کے مقاصد کے مطابق زیادہ تر توجہ سائنٹفک ریسرچ پر دی جائے گی لیکن ساتھ میں سوشل سائنس ریسرچ کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اگر ریسرچ کے میدان میں سرکاری اخراجات کی بات کی جائے تو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی سطح پر مختلف وزارتیں اور شعبے اپنے مقاصد کے حساب سے ریسرچ کے لیے فنڈ مختص کرتے ہیں، اس کے علاوہ نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ (NCERT)، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، سائنٹفک ریسرچ اور سوشل سائنس ریسرچ کے لیے مخصوص اداروں کو بھی چلایا جارہا ہے جیسے کہ سوشل سائنس ریسرچ کے لیے انڈین کونسل فار سوشل سائنس ریسرچ (ICSSR) ملک بھر میں 28 ادارے مختلف صوبوں میں چلا رہا ہے۔ اسی طرح سے سائنس کے میدان میں کاؤنسل فار سائنٹفک اینڈ انڈسٹریل ریسرچ (سی ایس آئی آر) کی کئی شاخیں مختلف صوبوں میں کام کر رہی ہیں، اس کے علاوہ الگ الگ موضوعات پر جیسے زراعت، ثقافت، تاریخ، عالمی امور، اقتصادیات، سیاسیات، سماجیات اور دیگر موضوعات پر صوبائی اور مرکزی سطح پر ریسرچ ادارے کام کررہے ہیں۔

اس وقت ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کے لیے حکومت ہند دو طرح کی گرانٹس مہیا کراتی ہے، پہلی بنیادی گرانٹس (Core Grants) ہے اور دوسری غیرمعمولی گرانٹس (Extramural Grants) ہے۔ زیادہ تر اخراجات بنیادی گرانٹس کے ذریعہ ہی کیے جاتے ہیں۔ 2019-20 میں شعبہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعہ تیار کی گئی رپورٹ (ریسرچ اور ڈیولپمنٹ پر اعداد و شمار) کے مطابق 2016 تا 2017 میں حکومت نے 42 ہزار کروڑ روپے خرچ کیے تھے۔ تین اہم اداروں جیسے کہ ڈیفنس ریسرچ ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن (31.8 فیصد)، ڈپارٹمنٹ آف اسپیس (19 فیصد) اور ڈپارٹمنٹ آف ایٹامک انرجی نے اپنی زیادہ تر ریسرچ بنیادی گرانٹس کے ذریعہ کی، اس کے علاوہ اوپر ذکر کیے گئے سرکاری اخراجات کا فائدہ جن ریسرچ اداروں نے اٹھایا، ان میں آئی سی اے آر (10.4 فیصد)، سی ایس آئی آر (5.9 فیصد)، ڈی ایس ٹی (8.4 فیصد)، ڈی بی ٹی (3.4 فیصد) اور آئی سی ایم آر (5.2 فیصد) شامل ہیں۔ یہ سارے ادارے ملک کے مختلف صوبوں میں اپنی ریسرچ شاخیں بھی چلاتے ہیں، جیسے کہ آئی سی اے آر، سی ایس آئی آر، ڈی ایس ٹی اور ڈی بی ٹی بالترتیب 102، 38، 20 اور 15 ادارے چلا رہے ہیں اور ان کے سارے ریسرچ اخراجات بنیادی گرانٹس پر مشتمل ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی پر زیادہ توجہ دی گئی ہے اور سماجی علوم پر کم توجہ دی گئی ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ ان تمام ریسرچ اداروں کی موجودگی میں ایک نئے ادارے کے قیام کی ضرورت کیوں پڑی؟ کیا یہ موجودہ ادارے ملک میں ریسرچ کی ضروریات کو پورا نہیں کرپارہے ہیں؟ اگر نہیں کرپارہے ہیں تو اس کی وجوہات کیا ہوسکتی ہیں؟

گزشتہ کئی سالوں سے حکومت نے ریسرچ کے میدان میں پرائیویٹ سیکٹر کو اپنے ریسرچ ادارے چلانے کی اجازت دی ہے اور ملک اور بیرون ملک کی ریسرچ کنسلٹنسی فرم حکومت کے زیادہ تر ریسرچ سے متعلق کام کررہی ہیں، اس میں بڑی عالمی مشاورتی فرمیں، پیشہ ورانہ خدمات کی فرمیں اور قومی ہندنژاد کمپنیاں جیسے میک کینس اینڈ کمپنی، بوسٹن کنسلٹنگ گروپ، ڈیلوٹ، ای وائی، کے پی ایم جی اور پی ڈبلیو سی شامل ہیں۔ وہیں غیر سرکاری تنظیموں کے ذریعہ چلائے جا رہے ریسرچ اداروں پر حکومت کی زیادہ توجہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ایف سی آر اے ایکٹ (FCRA) کے ذریعہ حاصل کیے جانے والے فنڈ کو حکومت نے کنٹرول کرنے کی کوشش کی ہے جس کا سیدھا اثر یہ ہوا ہے کہ بیرون ملک کے ذریعہ آنے والا ریسرچ فنڈ یا تو بند ہوگیا ہے یا کافی حد تک محدود ہوگیا ہے۔ کئی عالمی این جی اوز اور تھنک ٹینک نے یہ فیصلہ لیا ہے کہ وہ اپنے دفاتر ہندوستان میں نہیں چلائیں گے۔ ایف سی آر اے ایکٹ کے ذریعہ کئی ساری یونیورسٹیاں بھی بیرون ممالک سے ریسرچ فنڈ حاصل کرتی رہی ہیں لیکن حکومت نے ایکٹ میں تبدیلی کے بعد کئی یونیورسٹیوں اور تھنک ٹینک اداروں کے لائسنس منسوخ کردیے ہیں۔ حالیہ دنوں میں حکومت نے آکسفیم انڈیا، سینٹر فار پالیسی ریسرچ اور سینٹر فار اکوٹی اسٹڈیز کے ایف سی آر اے لائسنس کو منسوخ کردیا ہے، جس کی وجہ سے وہ بیرون ممالک سے ریسرچ سے متعلق فنڈ حاصل نہیں کرسکتے ہیں۔

اگر حکومت کے ذریعہ این آر ایف کے قیام اور اس کے مقاصد پر غور کیا جائے تو حکومت کی یہ کوشش اس کے دوہرے رویے کو دکھاتی ہے ایک طرف حکومت این آر ایف کے لیے پرائیویٹ سیکٹر اور بیرون ممالک سے سرمایہ کاری چاہتی ہے، وہیں نئے ایف سی آر اے قوانین کے ذریعہ غیر سرکاری تنظیموں سے متعلق ریسرچ اداروں کے فنڈز کو کنٹرول کرنا چاہتی ہے۔ اگر حکومت ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کو فروغ دینے کے لیے واقعی سنجیدہ ہے تو وہ سرکاری اخراجات کو بڑھائے اور ساتھ ہی کمیونٹی ڈیولپمنٹ سے متعلق سوشل سائنس ریسرچ کو بھی بڑھاوا دے تاکہ زمینی سطح پر غریب عوام جن پریشانیوں کا سامنا کررہے ہیں، ان کا حل نکالا جاسکے۔

(مضمون نگار انسٹیٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اینڈ ایڈوکیسی سے وابستہ ھیں۔)

jawedalamk@gmail.com

> اگر حکومت ریسرچ اور ڈیولپمنٹ کو فروغ دینے کے لیے واقعی سنجیدہ ہے تو وہ سرکاری اخراجات کو بڑھائے اور ساتھ ہی کمیونٹی ڈیولپمنٹ سے متعلق سوشل سائنس ریسرچ کو بھی بڑھاوا دے تاکہ زمینی سطح پر غریب عوام جن پریشانیوں کا سامنا کررہے ہیں، ان کا حل نکالا جاسکے۔

آئینہ

سارے پیپر لیک کر دیتے ہیں پیپر مافیا
اور نااہلوں کو دیتے ہیں فضیلت کی سند
نیٹ میں بھی مل چکے اس گڑبڑی کے سب ثبوت
حاکمو! بدانتظامی کی بھی کچھ ہوتی ہے حد؟

ضمیر ہاشمی

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

لائحہ عمل کی ضرورت

مکرمی!

اداریہ ’’گورنر اور ممتا حکومت کا ٹکراؤ‘‘ کے سلسلہ میں اداریہ کا موقف اس حقیقت پر مبنی ہے کہ مغربی بنگال میں حکمراں ترنمول کانگریس اور وہاں فائز گورنروں کے درمیان تعلقات اکثر ناراضگی اور عدم تعاون کا شکار رہے ہیں اور کم وبیش حالات کی یہی نوعیت عزت مآب گورنر دھن کھڑ صاحب، جو اب نائب صدر جمہوریہ ہیں، کے دوران کار رہی جو آج عزت مآب گورنر سی وی بوس کے وقت ہے۔ المیہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں گراں قدر عہدوں پر فائز ہستیوں کو حاصل اختیارات و مراعات کی تشریح دستور ہند میں کردی گئی ہے تاہم یہ مسئلہ وقتاً فوقتاً اخبار کی شہ سرخیوں میں رہا ہے لیکن اس مرتبہ اس میں شدت ہے۔ لہٰذا اداریہ کا خیال قابل اتفاق ہے کہ ہندوستان جیسے وفاقی نظام جمہور میں مرکز اور ریاستوں کے درمیان ایک لازمی رشتہ ہے جس کے بغیر کام نہیں چل سکتا کیونکہ گورنر کا عہدہ ایک درمیانی کڑی کی مانند اہمیت کا حامل ہے اور اس کا استعمال مرکز اور ریاستوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کی استواری کیلئے ہونا چاہیے نہ کہ حزب اختلاف کے زیر اقتدار صوبوں میں عدم استحکام اور حکومت کے محاصرے کی منشا سے۔ اس لیے ریاستی سرکاروں پر بھی لازم ہے کہ وہ ایک ایسا لائحہ عمل تیار کریں کہ موصوف گورنر حضرات اور صوبائی حکومتوں کے درمیان کسی ٹکراؤ کی نوبت ہی نہ آئے اور دونوں فریقین اپنے اپنے آئینی فرائض کی انجام دہی بحسن وخوبی کرتے رہیں۔

اظہر علی خاں
شرافت منزل، کوتوالان، رامپور-1

صحت کا خیال

مکرمی!

شدید گرمی نے سب کو بے حال کر رکھا ہے۔ ایک دو دن سے شدت میں کمی ہے لیکن اسے راحت افزا نہیں کہا جاسکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے آپ کو لو اور گرمی سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کریں، بچوں اور بزرگوں کا خصوصی طور پر خیال رکھیں، زیادہ پانی پئیں۔ نہ صرف اپنا خیال رکھیں بلکہ اپنے آس پاس جو لوگ ہیں ان کا بھی خصوصی خیال رکھیں۔ احتیاط پریشانیوں سے بچاسکتی ہے۔

محمد شعیب - دریا گنج، نئی دہلی-2

سبزیوں کی قیمتیں

مکرمی!

حیدرآباد میں ٹماٹر کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے کیونکہ تلنگانہ میں مانسون کی آمد میں تاخیر اور شدید بارش نے فصلوں کو نقصان پہنچایا ہے۔ اس کا راست اثر ترکاریوں کی قیمت پر پڑا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ مقامی سطح پر ٹماٹر کی کاشت میں کمی کے نتیجے میں قیمتوں میں اضافہ ہوا ہے اور سپلائی کی عارضی قلت پیدا کردی گئی۔ ٹماٹر کی قیمت 120 تا 150 روپے فی کلو، آلو 50 تا 60 روپے فی کلو بتایا جاتا ہے۔ بھنڈی 70 تا 80 روپے فی کلو بتائی گئی ہے۔ دیگر مزید سبزیوں کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کررہی ہیں، جس سے غریب اور متوسط طبقات کے ماہانہ اخراجات میں اضافے کے نتیجے میں کئی خاندان سبزیوں کے استعمال میں کمی یا پھر اسے ترک کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ اب جب کہ ٹماٹر کی قیمتوں میں اضافہ کو دیکھتے ہوئے آندھرا پردیش حکومت نے ٹماٹر کی قیمتوں میں قابو پاتے ہوئے 50 روپے فی کلو کردیا ہے، تلنگانہ حکومت کو بھی چاہیے کہ وہ ٹماٹر کی قیمتوں پر قابو پائیں، تاکہ غریب اور متوسط طبقات کو آسانی ہو۔ امید ہے کہ اس جانب ضرور توجہ دی جائے گی۔

سید شمس الدین مغربی - ریڈ ہلز، حیدرآباد

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر ضیاء قادری نے سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن پریس، سہارا انڈیا ٹاور، 7 کپورتھلہ کمپلیکس، علی گنج، لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا۔
Printed & Published by Zia Qadri, on behalf of Sahara India Mass Communication and Printed & Published at Sahara India Mass Communication Press, Sahara India Tower, 7 Kapoorthala Complex, Aliganj Lucknow
Editor & Group Editor: Abdul Majid Nizami (editor.nizami@gmail.com) * ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی
For Editorial/News: simeurdu@gmail.com, ■ Advertisement (National): ■ 0-9891773434, 9899452476, 9711050868 Email: adsahara@gmail.com
فون لکھنؤ دفتر: پی پی ایکس وایڈیٹوریل: 0522-2332935، 2337777، 2323126 انٹرکام: 5367 سرکولیشن: 2388379، شعبہ اشتہارات: 2376356، 0522 - ای میل: simeurdu@gmail.com - (Lucknow) sime.urdulko@gmail.com ٹیلی فون: دہلی آفس 23352368, 23352369
* اس شمارہ میں شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
R.N.I. No 70390/99 ROZNAMARASHTRIYASAHARA(LUCKNOW) شمارہ: 8942 سال: 25
روزنامہ راشٹریہ سہارا
○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں